الم ذالک الکتاب لاریب فیہ ھدی للمتقین

الف لام میم
یعنی
آلِ محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام

مؤلفہ وموقوفہ

عالیجناب نواب علی رضا خانصاحب قزلباش

سابق تعلقہ دار نواب گنج علی آباد ضلع بہرائچ (اودھ ہند)

مصنفہ رسالہ جات حقیقت الفتنہ - شہادت حسین - سابق الاسلام شہید وحدانیت - علمبردار وحدانیت - دکھیا بہن وغیرہ - خلف الرشید نواب معظم سرکار انجم - نواب محمد علی خانصاحب قزلباش مرحوم کربلائے خان بہادر سی - ایس - آئی رئیس اعظم پنجاب دولت مقامہ فی فرادیس الجنان

رسالہ ہذا بلاقیمت ملنے کا پتہ

منیجر کتبخانہ مطبع یوسفی

لبت روڈ - لاہور

دوکان پر صبح ۹ بجے سے ایک بجے تک مفت مل سکتا ہے ڈاک سے منگوانے والے محصول کیلئے صرف ایک آنہ کا ٹکٹ ارسال فرمائیں (منیجر)

سیّدہ عالمؑ

کی گود کے پالے۔ رسول اللہ کے کاندھوں پر سوار ہونے والے حسنؑ مجتبیٰ کے سہارے۔ علیؑ مرتضیٰ کی آنکھوں کے تارے شہزادہ کونین حضرت ابا عبد اللہ الحسینؑ شہید الشہداءؑ۔ سیّد آلِ عبا علیہ التحیّۃ والثنا کی ذاتِ بابرکات پر اس رسالہ کو معنون کر کے وقف کرتا ہوں مومنین کرام خود بھی ملاحظہ فرمائیں اور اپنے مسلمان احباب کو بھی دکھائیں۔ تا کہ آلِ محمدؐ کی محبّت کے انہماک میں سب ایک نقطہ پر جمع ہوں اور سفینہ اہلبیتِ اطہار میں سوار ہو کر فخر کناں رسول ہر دو سرا کے سامنے حوضِ کوثر پر جمع اور ساقیٔ کوثر کے ہاتھ سے سیراب ہوں فقط

العاصی المذنب الخاطی علی رضا خان قزلباش نمبر ۱۹۔ ایمپریس روڈ لاہور



جناب نواب علی رضا خان صاحب

قزلباش سابق تعقلدار نواب گنج

علی آباد ضلع بہرائچ

حال ۱۹ - ایمپرس روڈ - لاہور

الف - لام - میم

اعنی

آلِ محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ o الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ الخ یعنی رب العزۃ فرماتا ہے۔ کہ الٓمّٓ یہ کتاب جس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ متقیوں کے لئے ایک ہدایت ہے۔ پھر متقین کی تعریف میں فرماتا ہے۔ کہ (پہلی صفت) ان کی یہ ہے کہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ۔ اور نماز کو قائم کرتے ہیں۔ یہ گویا اُن کی دوسری صفت ہے۔ اس کے بعد دیگر اوصاف کا تذکرہ ہے مگر ہمیں چونکہ انہی آیات کی روشنی میں اپنی منزلِ بیان طے کرنی ہے۔ اس لئے انہی آیات پر انحصار رکھا۔

آیاتِ قرآن یا الفاظِ کتاب اللہ و حروف پر ذاتی تفسیر کا حق کسی کو نہیں سوائے راسخون فی العلم کے۔ لیکن پھر بھی معانی و مطالب کی تشریح میں مفسرین غیر معصومین فریقین نے موشگافیاں کی ہیں۔ اور حروفِ مقطعات کی نسبت باوجود اس اظہار کے کہ ان کی تفسیر سوائے اللہ اور راسخون فی العلم کے کوئی نہیں جانتا۔ لب لباب توجیہات بہت کچھ کہا ہے

چنانچہ الف لام میم کی توجیہہ میں سُنی شیعہ کی تفسیروں میں مختلف امور بکثرت ہیں اور ان کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ممکن ہے یہ مطلب ہو یا ہو سکتا ہے مطلب ایزدِ متعال اِس اشارہ میں یہ ہو۔ جن میں بعض امور بالکل حروف سے دُور کا واسطہ بھی نہیں رکھتے۔ تفسیر کبیر فخر الدین رازی میں اس کی توجیہات میں سولہ[16] تشریحات تک بیان ہوئی ہیں۔ کُل کے بیان میں طولِ کلام ہو گا۔ صرف ایک ہی مثال سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اِس سے مراد یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اشارہ فرماتا ہے کہ "میں بڑا واقف کار ہوں" الف لام سے اللہ کی تو کچھ مناسبت ہو سکتی ہے۔ لیکن "واقف کاری" کی توجیہہ کہاں سے پیدا ہوئی ہے۔ یہ مفسّر ہی کی دانش سے متعلق ہے۔ پھر یہ کہ اگر الف۔ لام سے "اللہ" کے اسمِ ذات کی طرف اشارہ بھی سمجھا جائے تو حرفِ "میم" پھر تشنۂ مُشارٌ الیہ رہ جاتا ہے۔

ہمیں یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ بالکل سامنے کی بات کو چھوڑ کر دُور از خیال اشارات پر جانا قرینِ عقلِ سلیم نہیں کہا جاتا۔

اگر حروفِ ا۔ ل۔ م کو مخفف ہی قرار دیا جاتا ہے تو الف اور لام سے قریب ترین لفظ "آل" کے علاوہ دُوسرا کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور "میم" کے مُشارٌ الیہ کے لئے تو "محمدؐ" سے برتر و اشرفِ عالمین میں کوئی نظیر ہی نہیں۔ جو اوّلِ خلقتِ نُوری بھی ہیں۔ مقصدِ تخلیقِ عالم بھی ہیں۔ اب تو الف لام سے مُراد آل اور میم سے "محمدؐ" قرار پاکر الف لام میم یعنی "آلِ محمدؐ" قریب ترین اشارہ ہو گیا۔

سیاق و سباق الف لام میم سے سُورۂ بقر کی ابتداء ہے جو قرآن مجید

کا دُوسرا سُورہ شمار کیا گیا ہے۔ اِس سے قبل کی سُورۃ فاتحۃ الکتاب پہلا سُورہ ہے جسے سورۂ حمد بھی کہتے ہیں۔ اُس کے آخر میں مقصدِ اقصیٰ یہ بیان کیا گیا کہ اُس صراطِ مستقیم کی دُعا کرو جو اُن کی راہ ہے جن پر اللہ تعالےٰ نے اپنا انعام کیا ہے۔ اور اُس کے بعد کے سُورہ کو الف لام میم سے شروع کرنا عقلِ سلیم اور تدبّر فی القرآن کرنے والوں کے لئے یہی ہو سکتا ہے۔ کہ انعمت علیھم کون ہیں؟ الف لام میم۔ آلِ محمدؐ اور وہی وہ کتابِ وجُودی ہیں جن میں شک کی گنجائش نہیں۔ اور جن کی ذات وصفات میں ذرا سا شبہ بھی بفحوائے کلامِ الٰہی دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ وہی متقین کے لئے ہدایت ہیں۔ وہی وہ ہیں جن سے غیب اور ایمان بالغیب کا تعلق جسم و رُوح کا تعلق ہے۔ وہی وہ ہیں جنھوں نے نماز کو قائم کیا۔ اور انہی آلِ محمدؐ میں خامسِ آلِ عبا علیہ التحیۃ والثنا مولانا و مولی الکونین ابا عبد اللہ الحسین کی وہ ذاتِ ستودہ صفات ہے۔ جس کی نمازِ ظہر و عصرِ عاشورۂ محرم وہ نماز ہے جسنے قیامِ نماز کی وہ مثال لا مثال قائم کر دی جو ملائکہ اور انبیاء کی نمازوں میں بھی ڈھونڈے نہیں ملتی۔ اِس نماز پر ہزاروں تقریریں صحنِ عالم میں ہو چکیں اور جب تک ذکرِ قیامِ نماز ہے ہوتی رہیں گی۔ مگر اِس نمازِ حُسینی کی مدح دریا کو کوزہ میں بند کر کے کسی مداحِ حسینؑ نے ختمِ کمال کی مُہر لگا دی ہے ؎

اِن سے کسی بشر کی عبادت بڑھی نہیں
تیغوں میں یُوں نماز کسی نے پڑھی نہیں

تذکرۂ آلِ محمدؐ فی القرآن المجید

پروردگارِ عالم نے آیاتِ قرآن

مجید کے لئے ایک معیار مقرر فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ یفسّر بعضہ بعضہم
من بعض یعنی خود وہ آیتیں ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں۔ ساتھ ساتھ
تدبّر فی القرآن پر جگہ جگہ کلام پاک میں زور دیا گیا ہے۔ لہٰذا اب اِس غور کی
ضرورت ہے۔ کہ حرف الف لام میم کی مناسبت ہی آلِ محمدؐ کو چاہتی ہے یا اس
کے علاوہ بھی کہیں آلِ محمدؐ کے ذکر کی تائید ہوتی ہے۔ کہ بعض کو بعض کی تفسیر کہا
جا سکے۔ ہمارا دعوےٰ بالدلیل ہے کہ اِس قسم کے اشارات۔ آیاتِ بیّنات سے
صاحبانِ بصیرت و عقول کو بہت ملیں گے۔ جن کے ضمن میں اُن پردوں کو بھی
اُٹھانا پڑے گا جو لظاہر عُقُول و اذہان پر پڑے ہوئے ہیں یا ڈالے گئے ہیں۔
جس طرح الف لام میم کے لئے کیا گیا ہے۔

آیۂ مبین

ایک بڑی صاف اور آیۂ مُبین ملاحظہ ہو "سَلٰمٌ عَلٰی اِلْیَاسِیْن"
اِس پر ہمیں ایک بسیط بحث کرنی ہے اور شاید وہ دلچسپی کی ایسی
راہیں پیدا کر دے کہ مسلمانوں کو تدبّر فی القرآن میں زاویہ نظر کو تبدیل کرنا پڑے
اور حقائق و معارفِ قرآن مجید کا ایک جدید ذوق ان میں پیدا ہو جائے۔

یہاں "اِل یاسین" کی تفسیر میں مفسّرینِ اسلام نے جو جو گُل کھلائے ہیں
وہ اگر کسی نظر بلیغ رکھنے والے غیر مسلم کے سامنے پیش کئے جائیں جو زبانِ
عرب اور املا و قواعد پر بھی واقفیت کامل رکھتا ہو تو قرآنِ مجید کے متعلق اُس
کے شبہات میں ایک قوی اضافہ ہو جائے۔ ہم صرف ایک ہی مثال پر اکتفا
کرتے ہیں۔ اسلامی ترجمہ ہائے قرآن مجید میں ترجمۂ مولوی شاہ رفیع الدین جن کا
اسم گرامی بغیر رحمۃ اللہ علیہ نہیں لکھا جاتا۔ جیسا کہ قرآنِ مجید مطبوعہ حاجی

چنانچہ جناب حاجی محمد شریف مالکانِ کتب خانہ مقبولِ عام لاہور" کے سرورق پر طبع ہے۔ اُس کے صفحہ نمبر ۶۰۹ کے حاشیہ پہ پارہ ۲۳ آیت ۱۳۰ کے ضمن میں حضرت مولینا مفسر (رحمۃ اللہ علیہ) نے تحریر فرمایا ہے +

" اِلیاس کو اِلیاسین بھی کہتے ہیں جیسے طورِ سینا کو طورِ سینین۔ اور آلِ یاسین بھی پڑھا ہے کسی نے۔ تو یاسین اُن کے باپ کا نام ہے" صرف اس مختصر پر حضرت مولینا رحمۃ اللہ علیہ نے ختم کر دیا۔ اِس پر اور بہت بحثیں ہیں۔ جن پر ہم تفصیلی روشنی بعد میں ڈالیں گے۔ پہلے اُوپر کے خیال پر چند قابلِ نظرِ ایمان و انصاف یہ امور ہیں۔ پہلا امر یہ کہ الیاس کو اُسی طرح الیاسین کہنا جس طرح طورِ سینا کو طورِ سینین۔ ہم عرض کرنا چاہتے ہیں کہ سینا ایک پہاڑ ہے۔ اور پہاڑ چھوٹی چھوٹی بہت سی پہاڑیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اور مختلف زبانوں میں اُس کو واحد اور جمع دونوں طرح بولا جاتا ہے جس طرح انگریزی میں "ہل" اور "ہلز" یا ماؤنٹین اور "ماؤنٹینز" مثلاً شملہ ہل یا ہلز ہمالایا ماؤنٹین یا ماؤنٹینز۔ تو اسی طرح پہاڑ کے لئے تو جمع سینین ممکن ہے۔ لیکن کسی اِسمِ بشر کے لئے اگر صیغہ تثنیہ آئے تو اِس صورت میں "الیاس" کے لئے سین کو زبر کے ساتھ لکھ کر اِلیاسَین کہنا پڑے گا۔ جس طرح حسنؑ اور حسینؑ موجودہ ہر قرآنِ مجید جو مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اُس میں "س" کا زیر درج ہے۔ اب اِملا کو ملاحظہ فرمائیے کہ ہر قرآنِ مجید میں ال یاسین ہے۔ حالانکہ صورت بالا میں ال (الف لام) الگ لکھنا غلط ہوگا۔ جس طرح "الیاس" کی اِملا "اِل یاس" غلط ہے اسی طرح اِلیاس کا تثنیہ اِلیاسین (ا ل ی ا) ملا کر ہونا چاہیئے

اب دوسری بات جو متانت کے خلاف ہے وہ یہ ہے کہ اس سورہ میں کئی انبیاء علیہم السّلام پر ربّ العزّۃ نے سلام کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً "سَلٰمٌ عَلٰی نُوۡحٍ فِی الۡعٰلَمِیۡنَ" "سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ" وغیرہ تو زیر بحث آیت میں ربّ الارباب نے الیاسؑ پر تو دیگر انبیاءؑ کی طرح سلام نہ فرمایا بلکہ اُن کے باپ اِل یاسین پر ضروری سمجھا جس کے یہ معنی ہوئے کہ الیاسؑ پر باوجود پیغمبر ضروری نہ سمجھا گیا بلکہ اُن کے باپ "اِل یاسین" کوئی افضل پیغمبر ایسی شخصیت تھی کہ پیغمبر پر ان کو صرف مقدّم ہی نہیں بلکہ الیاس کو حذف ہی کر دیا گیا۔ حالانکہ ایک طفلِ مکتب بھی اس غیر مربوط کو پسند نہ کرے گا۔ نہ کہ قرآنِ مجید کی فصاحت اس ثقل بے معنی کو برداشت کرے کہ حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ حضرت الیاسؑ کی بجائے ان کے باپ اِل یاسین کا ذکر ہو۔ اب لازم آتا ہے کہ یا تو معاذ اللہ اِملا کو غلط مانئے۔ جس سے اغیارِ مذاہب کو یہ موقعہ ہوگا کہ جب یہ املاءِ قرآن مجید غلط ہے تو اور بھی امکان ہے۔ یا یہ کہنا پڑے گا کہ اِملا صحیح ہے۔ لیکن زبر، زیر، پیش جو اعراب ہیں وہ اصل قرآن نہیں ہیں۔ اور یہ حضرت رسالت مآب صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی حیات بابرکات کے بہت بعد لگائے گئے ہیں جو کسی معصوم نے نہیں لگائے بلکہ جب اسلام نے جزیرہ نماءِ عرب سے باہر قدم نکالا اور اُن ممالک تک پھیل گیا جن کی زبان عربی نہیں تھی تو ایسے مسلمانوں کے لئے ضرورت ہوئی کہ حروفِ قرآنِ مجید کو زبر۔ زیر۔ پیش۔ جزم وغیرہ لگا کر پیش کیا جائے۔ تاکہ اہلِ زبان نہ ہونے کے باعث اُن سے غلطی نہ ہو۔ چنانچہ تواریخ میں یہ ذکر

مفصّل اور مشرح موجود ہے کہ ابن مسعود کی سرکردگی میں چند صاحبانِ زبان کی جماعت نے یہ فریضہ انجام دیا۔ اور گویا اُن کی فہم و علم و قواعد و لُغات و صرف و نحو کے مطابق یہ عالم زیر و زبر رُونما ہُوا۔ اور اُس کی بناء پر جہاں بہت سے اختلافات ہو سکتے ہیں وہاں یہ اِلْ یاسین کا عجوبہ بھی ہے۔ جس میں اگر الف پر کھڑا الف لگا دیا جائے اور لام کے جزم کو زیر بیں تبدیل کر دیا جائے تو اٰلِ لٰیسین" ہو کر املا بھی صحیح ہو جائے اور معنی میں تو وہ حُسن پیدا ہو کہ دشمنِ آلِ محمدؐ بھی اُن کا کلمہ پڑھے جن پر رب العزّۃ نے اِس خوبصورتی سے اپنا سلام فرمایا کہ اٰلِ لٰیسین کہہ کر آلِ محمدؐ کو نمایاں فرما دیا جس طرح سُورۂ لٰیسین کے ی س سے تمام اہلِ اسلام نے مراد حضرت محمدؐ کی ذاتِ بابرکات لی ہے وہاں اٰلِ لٰیسین سے اٰلِ محمدؐ صاف ظاہر ہو گیا۔ اور الف لام میم سے اٰلِ محمدؐ کی تائید بھی ہو گئی ؞

کِسی نے "اٰلِ لٰیسین بھی پڑھا ہے کسی نے" اِس فقرہ کو ہم نے اس بحث کے شروع میں انڈر لائن یعنی خط کشیدہ کر دیا تھا۔ حضرت شاہ صاحب مُفسّرِ قرآن نے "کسی نے" کا پردہ بھی ڈال دیا۔ کہ جہاں "لٰیسین" سے محمدؐ مُراد لینے کی بجائے یہ کہہ دیا کہ لٰیسین حضرت الیاس کے باپ کا نام تھا وہاں یہ تکلیف بھی نہ فرمائی کہ وہ "کسی" کون ہے جس نے اِلْ کی بجائے "اٰلِ" پڑھا ہے۔ اب اہلِ ایمان اپنے ایمان سے غور فرمائیں۔ کہ کیا حضرت مولنٰنا شاہ رفیع الدین رحؒ معاذ اللہ اتنے جاہل تھے کہ "کسی" کا نام نہ پڑھ سکے یا مسلمانوں کی تفسیریں ہی معاذ اللہ ایسی "چیستان" ہیں کہ

وہ ایسے ضروری مباحث میں قائل کی یا قول کی اسناد کے بجائے "کسی" کہہ کر اپنی ناواقفیت و جہل کا ثبوت پیش کرتی ہیں +

چنانچہ جناب مولنا مولوی السید مقبول احمد صاحب قبلہ دہلوی مرحوم و مغفور اعلی اللہ مقامہ نے تفاسیر اہل شیعہ کے مکمل اسماء اور حوالہ جات کے ساتھ حضرت صادق آلِ محمد کا نامِ نامی اور اسم گرامی تحریر فرما کر یہ ثابت کر دیا کہ جہاں دہلی کے ایک مترجم شاہ صاحب نے "کسی" کا پردہ ڈالا ہے وہاں میں بحیثیت صحیح آلِ رسول اور سید ہونے کی حیثیت سے اِس پردے کو اُٹھاتا ہُوں کہ وہ "کسی" حضرت امام جعفر صادق ہیں۔ جنہوں نے اِل یاسین کو آلِ یسین پڑھا ہے۔ اب تو اہل اسلام و ایمان پر یہ مسئلہ صاف ہو گیا ہو گا کہ آلِ محمد کی فضیلتوں کو کِس کِس طرح چھُپایا گیا ہے ÷

کتابِ وجودی الم ہ کے بعد "ذالک الکتاب لاریب فیہ" فرمایا کہ الم وہ کتاب ہے جس میں کِسی قسم کا شک نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ ھدی للمتقین۔ وہ ہدایت ہے متقیوں کے لئے۔ اب فکر کے لِئے ایک باب شروع ہوتا ہے کہ آیا کوئی کتاب (صامت) کِسی اِنسان کے لِئے ہدایت ہو سکتی ہے ؟ اگر کتاب سے کام چل جایا کرتا۔ تو توریت۔ زبور۔ انجیل اور قرآن کو کِسی پیغمبر کی ضرورت نہ ہوتی اور صِرف ان کتب ہی کو پروردگارِ عالم براہِ راست اُمت پر نازل فرما دیتا۔ لیکن کتب صامت کے ساتھ ہادیانِ ناطق کو بھیجنا اس امر پر دلیل

واضح ہے کہ کتاب بغیر معلّم کے کسی شاگرد یا طالب علم کے لئے کفایت نہیں کر سکتی۔ اور ظاہر میں مثالیں موجود ہیں کہ ہر مکتبِ خیال کی تعلیم گاہوں میں جہاں سینکڑوں کتب ہوتی ہیں وہاں مدرسین بھی اُن علوم کے ماہر مقرر ہوتے ہیں۔ ورنہ مدارس کو کتب سے پُر کر دینا کافی ہوتا۔ اب یہ واضح ہو گیا کہ الف۔ لام۔ میم کے بعد کتاب کو ہادی قرار دینا اشارۂ قدرت ہے کہ آلِ محمدؐ ہی وہ کتابِ وجودی ہیں جو ہر زمانہ میں متقین کے لئے باعثِ اتّقاء و ہدایت ہیں۔ اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ آلِ محمدؐ ہدایت خلق کے لئے ہر زمانہ موجود ہوں گے۔ اور ان کی کسی نہ کسی فرد سے ایک ثانیہ بھی خالی نہ ہو گا۔ ظاہر ہوں یا باطن۔ غیب ہو یا شہود۔ چنانچہ "یومنون بالغیب" کہہ کر اشارہ کر دیا کہ متقین کی ایک شرط یہ بھی ہو گی کہ وہ غیب پر ایمان رکھتے ہوں گے۔ یعنی یہ کہ آلِ محمدؐ میں کوئی نظر کے سامنے ہو یا پردۂ غیب میں۔ اُن کو نہ شک ہو گا نہ وہ غیبت میں ہادی کے منکر ہوں گے۔ اب یہ نتیجہ واضح ہو گیا کہ جو کسی فردِ آلِ محمدؐ کی غیبت کے باعث اُن کا منکر ہو تو خواہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہے اور سمجھے لیکن کم از کم متقی اور مومن کے دائرہ میں تو قدم نہیں رکھ سکتا۔ الف۔ لام۔ میم کی طرف جب تک ذالک الکتاب کا اشارہ نہ معیّن کیا جائے کسی اور کتاب کی طرف مختص نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ جب پہلے کسی کتاب کا ذکر ہی نہیں آیا تو ذالک الکتاب کس کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ اور جب الف لام میم مشارٌ الیہ موجود ہے۔

تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ آلِ محمدؐ ہی ہیں اور وہی کتابِ وجودی ہیں ۔

آلِ محمدؐ کے ذکر میں دوسری آیتیں

ایک تو ہم آلِ یاسین پر مکمل بحث لکھ کر آلِ یٰسین کو بایں طور ثابت کر چکے کہ "یٰسین" حضرت محمدؐ کا خطاب ۔ اور آلِ یٰسین صاف اور ظاہر آلِ محمدؐ ۔ اب تیسری آیت ملاحظہ ہو۔ "اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ" اِس آیۂ مبارکہ میں آدم نوح علیہما السلام کے ساتھ آلِ ابراہیم و آلِ عمران کے اصطفیٰ کا ذکر فرمایا ہے ۔ اور اس میں بھی آلِ محمدؐ سے انحراف رکھنے والوں نے وہی روش اختیار کی ہے جو آلِ یاسین کو حضرت الیاس پیغمبر کے باپ کا نام بنا کر کی تھی یعنی مفسّرین نے اِدھر اُدھر کی غیر متعلق اور بے دلیل باتیں بنا کر کہہ دیا کہ آلِ عمران سے مراد آلِ موسیٰؑ عمران ہے ۔ اب ذرا تدبّرِ قرآن سے کام لیں تو صاف سی اور آسان بات ہے کہ اگر یہی مرادِ ربّ الارباب ہوتی تو جہاں آدمؑ و نوحؑ و ابراہیمؑ کا سیدھا سیدھا نام لیا وہاں آلِ عمران کی جگہ آلِ موسیٰ صاف طریق پر کہہ دینے میں کیا لُطفِ کلام جاتا تھا جو آلِ عمران کہا گیا ۔ عقلِ سلیم فوراً بتاتی ہے کہ عمران کوئی مفرد نام اُسی طرح ہے جس طرح آدمؑ ۔ نوحؑ اور ابراہیمؑ ۔ اب تاریخ گردانی میں خاص دِقت اِس نام کی تلاش میں نہ ہوگی ۔ اور فوراً پتہ چل جائے گا ۔ کہ حضرت امیر المومنین جناب علیؑ مرتضےٰ کے والد ماجد کا نامِ نامی اور اسمِ گرامی "عمران" تھا جن کی کنیت ابی طالب (طالب کا باپ) تھی ۔ اور یہ

عام قاعدہ تھا کہ اکثر لوگوں کو اُن کی اولاد میں سے کسی کا نام لفظِ ابی یا ابو اول میں بڑھا کر پکارا جاتا تھا۔ اسی طرح حضرت عمران والدِ ماجد حضرت علیؑ کو اُن کے ایک فرزند طالب کی وجہ سے ابوطالب اور ابی طالب کہکر پکارا جاتا تھا اور اِس لقب یا کنیت نے یہاں تک شہرت پائی کہ عوام کالانعام نے اُسی کو نام سمجھ لیا۔ اور اصل نام سے یہاں تک نابلدی ہے کہ آج نامِ عمران سے بالکل بے خبری ہے۔ اور جو بعض جانتے بھی ہیں تو وہ اس لئے ذکر نہیں کرتے کہ کہیں آیت بالا کی تطبیق صحیح اصل عمران سے ہو کر علی مرتضیٰؑ کی فضیلتِ اصطفیٰ ثابت نہ ہو جائے اور آلِ محمدؐ اصطفیٰ کی منزلت میں آدمؑ و نوحؑ و آلِ ابراہیمؑ کے پہلو بہ پہلو نظر نہ آنے لگیں۔ پروردگارِ عالم کُل مسلمانوں کو آلِ محمدؐ کی اِس دشمنی سے محفوظ رکھے۔

چوتھی آیت | "فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون" پس اہلِ ذکر سے پوچھ لو اگر تم ناواقف ہو۔ اس آیۂ شافی ہدایہ میں بھی آلِ محمدؐ کی دشمنی میں بڑے بڑے غوطے لگائے گئے ہیں۔ اور اہلِ ذکر کی تفسیر یہ کر دی گئی کہ ذکر سے مراد قرآن ہے۔ اور اہلِ ذکر سے مراد قرآن والے۔ یعنی قرآن سمجھنے والے۔ یعنی عام طور پر عالم۔ بلکہ ہر عالم۔ بغیر کسی ستارِ خاص کے۔ جب یہ سوال آیا کہ ذکر سے قرآن کیونکر مراد ہے تو ایک اور قضیہ پیش کر کے یہ آیت بیان کر دی کہ پروردگارِ عالم قرآن مجید کے متعلق فرماتا ہے۔ کہ "نحن نزلنا الذکر و نحن لہ لحافظون" یعنی ہم نے قرآن مجید کو نازل فرمایا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ چونکہ یہاں

"ذکر" قرآن کو کہا ہے اس لئے اہلِ ذکر کے معنی قرآن والے یعنی قرآن کے عالم۔ ہمیں اسی سے اختلاف ہے کہ ذکر سے مراد قرآن ہے۔ اس لئے کہ اگر قرآن کی محافظت کا وعدہ ہے تو اللہ تعالےٰ جیسے محافظِ حقیقی کی حفاظت میں قرآن کو کیونکر جلایا گیا اور کیونکر نیزوں پر چڑھایا گیا اور آجتک مشرکین و کفّار کے مطابع میں جس جس طرح اُس کی بے حُرمتی ہوتی ہے اُس کا بیان کرتے ہوئے رُوح لرزتی ہے۔ تو کیا اسی کا نام حفاظت ہے اور پھر خدائے تعالےٰ کی حفاظت؟ اسی دن کے لئے جن کے گھروں میں قرآن اُترا تھا اُنھوں نے تفاسیر میں فرما دیا کہ اس جگہ ذکر سے مُراد محمد مصطفےٰ کی ذاتِ بابرکات ہے۔ جن کی حفاظت کے تذکرے جگہ جگہ قرآنِ مجید میں ہیں۔ کہیں جنگِ بدر میں فرشتوں کے ذریعے حفاظت کا تذکرہ۔ کہیں شبِ ہجرت کی حفاظت کے تذکرے۔ کہیں کفّار و مشرکین کے حملوں اور شرارتوں سے حفاظت کے تذکرے۔ لیکن مفسّرین عامہ نے یہاں ان تمام امُور کو صرف اس لئے نظر انداز کر کے یا پسِ پشت ڈال کر لفظ ذکر سے محمد مراد نہیں لی کہ پھر اہلِ ذکر سے مراد "اہلِ محمد" لی جائے گی اور اہل میں پہلا نمبر آل کا ہوتا ہے۔ تو اھل الذکر سے مُراد وہی آلِ محمد ہو جائے گی۔ اور یہی معاذاللہ وہ خار ہے جو ایک آنکھ نہیں بھاتا۔

مختلف آیتیں اب کُل آیتوں کو تفصیل سے لکھا جائے تو ایک یا چند جلدیں مرتب ہو جائیں۔ اس لئے چند اشارات پر اکتفا کر کے اہلِ نظر کے تفحص پر چھوڑا جاتا ہے۔ آیۂ تطہیر میں "اھل البیت" کہکر صاف

صاف آلِ محمدؐ کا تذکرہ کر دیا۔ اور مذہب اہلبیت والوں نے کتب کی کتب اِس آیت پر تالیف و تصنیف فرما کر ثابت کر دیا کہ اس آیت میں پنجتن کے علاوہ رسولؐ اللہ کی کوئی بیوی یا سُسر یا سالا شریک نہیں یہانتک کہ جناب اُمِّ سلمیٰ حضرت اُمّ المؤمنین نے جب دیکھا کہ حضرت رسُول صلّی اللہ علیہ و آلہ نے علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کو اپنی زیر عبا لے کر درگاہِ باری میں عرض کی۔ کہ یا اللہ صرف یہی میرے اہلبیت ہیں" تو اُمّ المؤمنین نے عرض کی۔ " اتاذن لی لادخل معکم" حضور میں بھی زیرِ عبا آپ حضرات میں شامل ہو جاؤں" تو حضرت ختم الرسل نے صاف لفظوں میں منع فرما کر ان الفاظ میں تسکین دی کہ " انتِ علی الخیر" یعنی یہ کہ انجام تمہارا بخیر ہے" مگر اہلبیتؑ میں شرکت ناممکن۔ معلوم اور ثابت ہُوا کہ جو اھل البیت میں تھے وہ صرف علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ علیہم الصّلوٰۃ و السّلام ہیں۔

آیۂ مباہلہ اِسی طرح آیۂ مباہلہ میں جن حضرات کو مقابلِ نصاریٰ نجران حضرت ختم المرسلین اپنے ہمراہ لے گئے وہ بھی اِن چار کے علاوہ کوئی نہ تھے۔ پانچویں ذات حضرت کی تھی۔ جن سمیت پنجتن معصومین صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین ہوئے۔ اگرچہ آیۂ مباہلہ میں "ابنائنا" "نسائنا" اور "انفسنا" میں ہر سہ گروہ کے لئے پروردگارِ عالم نے صیغۂ جمع استعمال فرما کر اتنی وُسعت دے دی تھی کہ تین یا تین سے زائد بیٹے۔ بیٹیوں بیبیوں اور جنہیں بمنزلۂ نفس خود حضرت تصور فرماتے لیجا سکتے۔ اور یہی باعث تھا کہ جب صُبح کو حضرتِ والا حرمِ مبارک سے میدانِ مباہلہ کے قصد سے باہر

تشریف لائے۔ تو دو رویہ ایک طویل قطار مردوں اور برقع پوش زنانِ عرب کی تھی۔ جو اپنی زباندانی کے بھروسے پر یہ سمجھ کر آئے تھے کہ آیت میں صیغے وسیع الذیل ہیں۔ نہ معلوم حضرت کتنے مردوں کو بصیغۂ ابنائنا لے جائیں۔ اور کتنی خواتین کو نسآئنا کے صیغۂ جمع میں شامل فرمائیں۔ اور چاہے جتنے اصحاب کو انفسنا کے دائرے میں جمع فرمائیں۔ اور اس سے اور بھی اُمید بندھتی تھی کہ اُن کے علم کی بناء پر نصارائی نجران کے ستر نفوس میدان میں اپنے شامیانے کے نیچے جمع ہو چکے تھے۔ تو خیال یہ تھا کہ حضرت رسولِ اکرمؐ کم از کم اُن کے برابر تو افراد کو ضرور لیں گے۔ لیکن وہ منظر بھی صحن عالم میں پہلی اور آخری مرتبہ دیدنی تھا۔ جب مردوزنِ مسلمین و مسلمات نے یہ دیکھا کہ رسولِ رب العالمین اس شان سے برآمد ہوئے کہ چھوٹے نواسے (حسینؑ) کو گود میں لئے۔ بڑے نواسے (حسنؑ) کی اُنگلی پکڑے ہوئے اپنے پسِ پُشت اپنی نورِ نظر (حضرت سیّدۂ عالم) کو برائے کمک لئے ہوئے اور ان کی حفاظت کے لئے تیغ بکف حیدرِ کرار (اپنے داماد) کو لئے ہوئے حضرت خراماں خراماں قطار در قطار گروہ عرب میں سے گذرتے ہوئے بغیر کسی سے بات کئے اور بغیر کسی کی بات پوچھے اور سُنے گذر گئے اور حضرت سلمان فارسی رحمۃ اللہ علیہ کے لگائے ہوئے سُرخ شامیانے کے نیچے متابل گروہ نصاریٰ کے اپنا یہ مختصر ڈیرا جما دیا۔ اور چاروں طرف مسلمان "احسنت احسنت یا رسول اللہ" کے نعرے لگاتے اور مُنہ دیکھتے رہ گئے اور اُس دن سے آج تک مسلمان نعروں ہی کے مرد ہو کر رہ گئے۔

اور آلِ محمدؐ کے ہاتھ یہ میدان بھی رہ گیا اور آیۂ مباہلہ کی انمٹ الٰہی مُہر بھی

قرآنی اشارے

عنوان تو یہ ایسا پیارا تھا کہ اگر اس کی تکمیل اِسی طرح کی جاتی جس طرح ذیل میں چند امثال ہیں تو ایک عجب لُطف و کیف و وجد پیدا ہوتا لیکن چونکہ اُس طول کو یہ مختصر رسالہ برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے چند پر اکتفا کرکے مقصد کی طرف جانا چاہتا ہُوں۔ کہیں "حبل اللہ" فرما کر "آلِ محمدؐ" سے تمسّک کا حکم فرمایا۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا۔ کہیں "امتِ وسط" کے معزز لقب کا تاج آلِ محمدؐ کے سرِ مبارک پر اس طرح رکھ دیا۔ کذالک جعلناکم امۃً وسطًا۔ کہیں "مومنون" کا خطاب ایسی منزلت میں عطا ہوا کہ اپنے اور اپنے رسول کے ساتھ حاضر و ناظر کا درجہ اِن الفاظ میں دے دیا۔ کہ "قل اعملوا فسیری اللہ ورسولہ والمومنون" کہیں رکوع میں سائل کو انگوٹھی دینے کے ذکر میں اس طرح فرمایا کہ "انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویوتون الزکوٰۃ وھم راکعون" حصر کے ساتھ فرماتا ہے سوائے اس کے نہیں کہ تمہارا ولی اللہ ہے اور اُس کا رسول ہے اور وہ ایمان والے جو حالت رکوع میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ یہ ان آیتوں میں سے ایک ہے جہاں عمل پہلے وقوع میں آیا اور آیت اس کے عقب میں فوراً ہی نازل ہوئی۔ اور گویا جبریل امین مدح امیر المومنینؑ میں یہ قصیدہ پڑھتے ہوئے اُترے۔ اور اُن کی خوشی کا عالم وہ خود ہی جانتے ہوں گے کہ پروردگارِ عالم کی جانب سے گلدستۂ مدحیہ اپنے اُستاد کی خدمت میں پیش کرنے رسولِ دو عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شاید

شمس تبریز نے اسی موقعہ سے استفادہ حاصل کر کے کہا ہو ؎

جبرئیل چو آمد ز پس خالق بیچوں ؛ در پیش محمدؐ شد و مقصود علیؑ بود

کہیں فرماتا ہے۔ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم۔ یہاں والیانِ امر کے متعلق مفسرین اسلام نے ذہنی سطح کو اتنا نیچا کیا ہے۔ کہ عام والیانِ ملک کو والیانِ امر بنا دیا۔ اور بلاغت آیۂ وافی ہدایہ پر قطعاً غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کلام بلاغت نظام میں اپنی اطاعت کو ایک "اطیعوا" کے تحت رکھا ہے اور دوسرے "اطیعوا" کے تحت اطاعت رسول اور اولی الامر کو رکھ کر دونوں اطاعتوں کو یکساں اور بلا فرق و تمیز قرار دے دیا کہ جیسی اطاعت رسول کی ہو بالکل وہی صورت اطاعت اولی الامر کی ہونی چاہیئے۔ اگر ان اطاعتوں میں فرق ہوتا تو جس طرح اپنی اطاعت کو الگ ایک امر "اطیعوا" کے ذیل میں رکھا تھا۔ اُسی طرح اطاعتِ رسول کو دوسرے "اطیعوا" سے حکم فرما کر تیسری اطاعتِ مختلفۂ اولی الامر کے لئے تیسری مرتبہ "اطیعوا" کے حکم سے ممیز کر دیتا۔ جس سے صاف ظاہر ہوا کہ رسول اور اولی الامر ایک مثل دگرے کے مطاع ہیں۔ جن کی عصمت و عفت و عظمت ہموزن و ہمرتبہ ہے۔ اب بعدِ رسول مثلِ رسول والیانِ امر کی تلاش اگر نظرِ ایمان سے کی جائے تو سوائے آلِ محمدؐ کے کوئی دوسرا اولیٔ امر صحنِ عالم میں نہیں ملیگا ؛

کہیں "عروۃ الوثقیٰ" کہہ کر شانِ آلِ محمدؐ کو یوں ظاہر فرمایا کہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ لا انفصام لھا" کہیں قربیٰ کی نقاب میں آلِ محمدؐ کا اس طرح ذکر فرمایا۔ کہ قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ فرماتا ہے

"کہدو (اے رسولؐ) اپنی اُمت سے) کہ میں تم سے اپنی رسالت پر کوئی اجر نہیں طلب کرتا سوائے اس کے کہ میرے قرباء سے مودۃ کرو"
کہیں فرماتا ہے کہ ان اللہ وملائکتہ یصلون علی لنبی یا ایھا الذین المنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماہ بالتحقیق اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم بھی اُس پر درود بھیجو اور تسلیم کرو جو حق تسلیم ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو جس طرح نماز روزہ کے وجوب پر اہل ایمان نے تشریح احکام چاہی اسی طرح دریافت کیا کہ یا رسول اللہ درود کیا ہے اور طریق درود کیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ یوں کہو کہ "اللھم صل علی محمد وال محمد"۔ مسلمانوں کی سب مستند کتب میں یہ بلا اختلاف موجود بلکہ بعض جگہ یہاں تک ہے کہ جب بعض لوگوں کے متعلق حضرت نے سُنا کہ وہ درود میں "آل" کو شریک نہیں کرتے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہم پر صلوٰۃ بتری یعنی دُم بریدہ درود مت بھیجو۔ چنانچہ یہ درود معہ آلِ محمدؐ نماز کے تشہد میں تمام مسلمانوں پر واجب ہُوا۔ اور امام شافعیؒ نے اس کو ایک شعر میں کس خوبی سے نظم فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے آلِ محمدؐ یہی ایک فضیلت تمہارے لئے کافی ہے کہ "من لم یصلوا علیکم لا صلوٰۃ لہ" کہ جو نماز میں تم پر درود نہ بھیجے اُس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ باوجود اس کے آج مسلمانوں کی صدہا کُتب اور اخبار پیش کئے جا سکتے ہیں۔ جن میں رسولِ اکرم کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم چھپتا اور لکھا جاتا ہے اور لفظِ آل غائب کر کے دشمنئِ آل کا ثبوت پیش کیا جاتا

ہے اور اس پر شفاعت کی امید بھی رکھی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کل مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کہکر پیغمبر اسلامؐ کے حکم کی اطاعت کیا کریں ورنہ عدولِ حکم میں شفاعت و نجات سے محرومی ظاہر ہے۔

کتاب مکنون پھر ایک آیۂ وافی ہدایہ میں فرماتا ہے۔ انّہ لقرآنٌ کریم فی کتاب المکنون لا یمسّہٗ الا المطھرون (بالتحقیق قرآن کریم ایک کتاب مکنون میں ہے جس سے مَس نہیں رکھتے سوائے برگزیدگان کے۔ عام طور پر اس آیت مقدس کو مسلمانوں نے قرآن مجید کی جلدوں کی زینت بنا کر اس کے نیچے اس قسم کے ترجمے لکھ دیئے ہیں کہ سوائے حالتِ پاکیزگی کے اِس کو ہاتھ نہ لگاؤ مَس نہ کرو"۔ یہ حکم ہی اور ہاتھ سے چھونا عجیب معنی پیدا کئے گئے ہیں۔ اگر عام نجس ہاتھوں کا یا اس قرآن مجید کا مطلب ہوتا تو ایک عجیب مذاق تھا کہ ہزاروں قرآنِ مجید مشرکین و کفار کے مطابع میں طبع ہوتے اور ان کے غیر طاہر ہاتھوں سے دن رات مَس ہوتے ہیں۔ اس پر یہ دعوٰے کہ سوائے پاک لوگوں کے کوئی مَس نہیں کرتا۔ حالانکہ وہاں خبر دی جارہی ہے کہ اصل قرآن مجید ایک کتابِ مکنون میں ہے اور سوائے "مطہرون" کے اُس سے کوئی مَس نہیں رکھتا۔ اس میں اِس بلاغت کا اظہار ہے کہ حقائقِ قرآن پر وہی آگاہ ہیں۔ جن سینوں کو آیۂ تطہیر سے خالق نے پاک ظاہر فرمایا ہے اور اُس کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں کہ وہ محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام ہیں جنہیں یہاں کتابِ مکنون کا معزز لقب کرامت فرمایا ہے۔ اور اسی آیت سے ایک باب کھلتا ہے کہ "قرآن" اور "کتاب" دو الگ چیزیں ہیں۔ قرآن وہ جو قرأت

ہیں آتا ہے۔ اور کتابِ وجودی محمدؐ و آلِ محمدؐ۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے
ماکان ھٰذا القرآن ان یفتریٰ من دون اللہ ولکن تصدیق
الذی بین یدیہ وتفصیل الکتاب لا ریب فیہ۔ (یعنی یہ
قرآن ایسا نہیں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی طرف سے بنا لیا ہو بلکہ
بلکہ یہ پہلوں کی تصدیق اور کتاب کی تفصیل ہے جس میں ریب نہیں)۔
اس قرآن مجید کو کتاب کی تفصیل کہا گیا اور کتاب ہے وہی "آلِ محمدؐ" جس
کے لئے یہاں بھی لا ریب فیہ کہا گیا اور افتتاح قرآن میں بھی الٓمٓ کے بعد
ذالک الکتاب کہہ کر اسی کتابِ وجودی کی طرف اشارۂ اوّل کر دیا تھا اور
لا ریب فیہ کہہ دیا تھا تاکہ فضیلت آلِ محمدؐ میں کبھی کوئی دعویدارِ ایمان
شک نہ کرے ورنہ ایمان سے ہاتھ دھونے پڑینگے۔

پھر فرماتا ہے "ثمّ اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا"
پھر ہم نے کتاب یعنی کتابِ وجودیٔ پیغمبرؐ کا وارث یعنی وارثانِ محمدؐ اپنے
(خاص) بندوں میں سے ان کو قرار دیا جن کا اصطفیٰ کیا یعنی چن لیا۔ مستقبل
کا علم رکھنے والا عالمِ حقیقی جانتا تھا کہ ایک دن میرے آخری رسول سے یہ
حدیث منسوب کی جائے گی کہ "نحن معاشر الانبیاء لا نُورِثُ و لا
نُورَث" کہ ہم گروہِ انبیاء نہ میراث چھوڑتے ہیں نہ میراث پاتے ہیں۔ تاکہ
میرے رسولؐ کی بیٹی کے دعوۂ میراث کو اس حدیثِ مصنوعی سے خارج کر دیا جائے
اس لئے اُس نے پہلے ہی اس کا انتظام فرما کر "قرآن" اور "کتاب" کے فرق کو ممیز
قرار دے کر کتاب کو کتابِ وجودیٔ پیغمبر کہا۔ اور یہاں وارثِ کتاب یعنے

وارثِ محمدؐ اُن ذواتِ مصطفےٰ کو قرار دیا جن میں اول فاطمۂ صدیقہ - دوم علیؑ مُرتضےٰ سوم حسنؑ مجتبےٰ اور چہارم حسینؑ الشہید بکربلا علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں اور اُن کی پُشت کے وہ نو امام جو آلِ محمدؐ قرار پائے "

اجرِ رسالت اُمت نے کِس طرح ادا کیا

اب آلِ محمدؐ جن کے فضائل کا اشارۃً کچھ تذکرہ آیاتِ قرآنِ مجید سے پیش کیا گیا اُمت کے ہاتھوں کِن مصائب میں مبتلا ہوئے

یہ ایک عبرت ناک حقیقت ہے جو کسی طرح چھپائی نہیں جا سکتی - بعدِ رسولؐ آلِ محمدؐ کی پہلی فرد جناب سیّدۂ نساء العالمین حضرتِ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا تھیں جو اُمت کے ہاتھوں اُن مصائبِ شدیدہ میں مبتلا ہوئیں کہ دِل بھر کر باپ کو رو بھی نہ سکیں - اور اُمتِ رسول نے علیؑ مرتضیٰ سے یہ شکوہ کیا کہ بنتِ نبیؐ کے رونے سے ہمارا دن کا چین اور رات کی نیند حرام ہے - لہذا اس کا کوئی اِنتظام فرمایئے - حضرت امیر المؤمنینؑ نے اشرار کی نیت کا اندازہ فرما کر یہ انتظام فرمایا کہ بیرونِ مدینہ قبرستان میں ایک مقام معیّن فرما دیا جس نے بیت الحزن کا نام پایا کہ جب سیّدۂ عالم کو خاتم النبیین کی یاد تڑپاتی تو حسنینؑ کو ساتھ لے کر بیت الحزن تشریف لے جاتیں اور وہاں شفیق باپ کی محبتیں یاد کر کے رویا کرتیں - غرض ہزاروں قسم کی ایسی تکلیفیں اور اذیتیں اٹھائیں جن سے تواریخ اسلام اور کتب سوانح بھری پڑی ہیں اور جس تمام تفصیل کو خود معصومہ نے اپنے ایک نوحے کے دو مصرعوں میں بند فرما دیا ہے جس کا

ترجمہ اُردو یہ ہے۔ کہ "یا باجان! آپ کے بعد مجھ پر وہ مصیبتیں پڑی ہیں کہ اگر روزہائے روشن پر پڑتیں تو وہ شبِ تاریک میں تبدیل ہو جاتے"۔

اس کے بعد علی مُرتضیٰ کے مصائب کا زمانہ اُس وقت سے شروع ہوتا ہے کہ وہ ابھی غسل و کفن و دفن رسول سے فارغ نہ ہونے پائے کہ ان امور میں شریک نہ ہونے والوں نے اپنی کانفرنس کر کے بغیر شرکت علیؑ و حسنؑ و حسینؑ جو افرادِ آلِ محمدؐ تھے "خلافتِ محمدی" کا مسئلہ کثرتِ آراءِ موجودین سے طے کر لیا۔ اِس سے بڑی مصیبت حضرت علیؑ کے لئے اور کیا ہو سکتی تھی۔ اِس ضمن میں یکے بعد دیگرے جو صدمات پہنچے اُن سے تواریخ بھری پڑی ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ وقت آیا کہ حالت اسلام بالکل بد سے بدتر ہوتی گئی تو مجبوراً اصرارِ شدید کر کے امورِ خلافت انجام دینے کے لئے حضرت علیؑ ہی کو مجبور کیا گیا۔ لیکن چہار سالہ خلافتِ ظاہری میں معاویہ ابن ابی سُفیان نے نام نہاد مسلمانوں کی کثرت سے وہ مخالفت کی کہ مدینۂ رسول چھوڑ کر حضرت علیؑ کو کوفہ دارالحکومت بنانا پڑا اور انجام کار اُسی کوفہ کی مسجد اور محرابِ عبادت میں قتل کرا دیا گیا۔ اور جب کسی طرح میدانِ جنگ میں کامیابی نہ دیکھی تو خدا کے شیر کو سجدۂ خداوندی میں شہید راہِ خدا کر دیا۔ مولد بھی اللہ کا گھر (کعبہ) تھا مشہد بھی اللہ کا گھر (مسجد کوفہ) قرار پایا۔

حضرت امام حسنؑ

جب اُمت سیدۂ عالمؑ و علی مرتضیٰؑ کو ٹھکانے لگا چکی تو آلِ محمدؐ میں تیسرا نمبر امام حسنؑ کا تھا۔ اور اُمت کی نظرِ کرم

ان کی جانب اس طرح مبذول ہوئی۔ کہ معاویہ ابن ابوسفیان نے قدم قدم پر شب و روز اس طرح ان کی مخالفت کی کہ تمام ملک شام میں دس برس تک امام حسنؑ کے زمانۂ قیدِ حیات میں اُن کے والدِ ماجد پر سبّ و شتم اور کھلا تبرّا کہلوایا۔ اب دس سال کی مدت اور حضرت حسنؑ کے صبر کو صاحبِ بصیرت غور کرے تو یہی کیا کم مصیبت تھی۔ مگر صاحبِ اختیار امام نے صبرِ کامل اختیار فرمایا اور اپنے نانا کے خلقِ عظیم کا زندہ جلوہ دکھا دیا۔ اِس پر بھی معاویہ کا پیمانۂ ظلم لبریز نہ ہوا یہاں تک کہ جعدہ بنتِ اشعث کی معرفت سمِ قاتل کا جامِ ہلاہل پلا کے چھوڑا۔ اور اب تو صاف صاف نواسۂ اکبرِ رسولؐ کا قاتل اکابرِ اسلام نے معاویہ کو تسلیم کر ہی لیا۔ اِسی سال دِلّی کے مشہور و معروف ایک ماہنامہ "آستانہ" نے تحتِ عنوان "امام حسنؑ کا قاتل معاویہ تھا" صاف صاف اِس امر کو ظاہر کر دیا۔ لیکن آج بھی ہزاروں نام نہاد مسلمان ایسے ملیں گے جو "معاویہ" کے نام کے پہلے حضرت اور امیر لکھتے اور بولتے ہیں۔ سمجھ دار اور ایماندار بتائیں کہ ایسے مسلمانوں کا اسلام اور رسولِ اسلامؐ سے کیا تعلق ہو سکتا ہے جو "آلِ محمدؐ" کے ایسے کھلے اور دشمنِ جانی کو معاذ اللہ حضرت اور امیر کہیں اور سمجھیں ۔

جب دُنیائے دُوں پرست حسنِ مجتبیٰؑ نواسۂ اکبرِ رسولؐ کو سمِ قاتل پلا کر مطمئن ہو گئی تو اب حکومت شام کی نظر میں ایک ہی کانٹا کھٹک رہا تھا۔ اور وہ پنجتنِ پاک میں صرف خامسِ آلِ عبا نواسۂ اصغرِ رسولؐ

ہر دوسرا کی ذات مبارک تھی ۔

یزید کا پیغام حاکم مدینہ کے نام چنانچہ معاویہ کے مرتے ہی یزید اُس کے فرزند نے مظلوم حسینؑ کے قتل کا سنگِ بنیاد اپنے اس حکم سے رکھ دیا اور ولید عامل مدینہ کو لکھ بھیجا کہ فوراً حسینؑ ابنِ علیؑ سے میری بیعت طلب کرو۔ اور اگر وہ انکار کر دیں تو اُن کا سر ہمارے پاس بھیجدو۔ اس کے بعد کے واقعات سے اسلام کی تاریخ بھری پڑی ہے چنانچہ حسینیوں اور یزیدیوں کی تمام جنگ کی بنیاد اور اُس کے نتیجے کو آرزو مرحوم المدفون بارض کراچی نے اپنے ایک سلام کے مطلع میں لکھ کر دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔

کٹا کر گردنیں دکھلا گئے یہ کربلا والے
کبھی بندوں کے آگے جھک نہیں سکتے خدا والے

واقعہ ہائلہ پر صراحت قرآن مجید ارشاد بزبانِ قدرت ہو رہا ہے کہ اُذِنَ للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر الذین اُخرجوا من دیارھم بغیر حقٍّ اِلّا اَن یقولوا ربنا اللہ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعضٍ لھدمت صوامع وبیعٌ وصلوٰۃ ومسٰجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیراً ط ولینصرن اللہ من ینصرہ ط ان اللہ لقوی عزیز (سورۂ حج رکوع ۶) اُن لوگوں کو جن سے جنگ کیجاتی ہے اس لئے اجازت دی گئی ہے کہ اُن پر ظلم کیا گیا تھا اور بیشک اللہ ان کو مدد دینے پر پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ جو اپنے شہروں سے ناحق صرف اس لئے نکالے گئے کہ وہ اپنا رب اللہ کو کہتے تھے۔ اور اگر اللہ ایک کے ذریعے سے دوسروں کو دفع نہ کرتا رہتا تو عبادتخانے۔ گرجے۔ کنیسے اور مسجدیں جن میں بکثرت اللہ کا نام لیا جاتا ہے سب ڈھادئیے جاتے۔ اور اللہ تعالےٰ اس کی مدد ضرور کریگا جو اللہ کی مدد کرتا ہے۔ بیشک اللہ قوت والا زبردست ہے۔

پروردگارِ عالم نے اِن آیاتِ مجیدہ میں حضرت مظلوم کربلا کی مظلومیت، مدینۂ نبیؐ سے جلاوطنی اور جہادِ راہِ خدا کی تصویر کشی جس تشریح اور تصریح سے فرمائی ہے وہ اپنی جگہ واقعاتِ کربلا پر معجزانہ روشنی ہے۔ قبل واقعۂ شہادت من جانبِ علیمِ مطلق یہ آیات ایسی شہادت ہیں کہ جن سے ایک مکمل مجلسِ حسینؑ مظلوم کو عنوان کیا گیا ہے اور یہی باعث ہے کہ صحنِ عالم میں کوئی ساعت ایسی نہیں جس میں کہیں نہ کہیں مجلسِ عزاءِ امامِ مظلوم برپا نہ ہو۔ خدائے تعالےٰ نے تو اپنے کلامِ پاک میں یہ التزام فرمایا کہ ایسی تفصیلی آیات واقعۂ کربلا پر نازل فرمائیں اور اُس کے محبوب نے اِس رسم کو ولادتِ حسینؑ ہی کے دِن قائم کر دیا۔ چنانچہ اِس محبوب نواسہ کی خبرِ ولادت پاتے ہی سرکارِ دوسرا خانۂ حضرتِ فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا میں تشریف لائے اور اُمِّ ایمن سے فرمایا کہ مولود کو ہماری آغوش میں دو۔ اُنہوں نے عرض کیا "مولا و آقا! ابھی مولود کو غسلِ طہارت نہیں دیا"۔ حضور نے فرمایا "تم غسلِ طہارت دو گی؟ یہ تو مصداقِ آیۂ تطہیر ہے"۔ اُمِّ ایمن نے سمعاً وطاعۃً نواسہ کو نانا کی گود میں دیا اور ابھی نانا نواسے کے راز و نیاز آنکھوں ہی آنکھوں میں تھے کہ جبرئیلؑ امین من جانب ربّ العالمین تشریف لائے اور بعد تحفۂ درود و سلام عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ جس نواسہ کو اِن محبّت کی نظروں سے آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں آپ کی اُمّت جفاکار بہزار رنج و افکار آپ کے بعد اسے شہید کر دے گی"۔ جبرئیلؑ امین خبر دے کر اُدھر روانہ ہوئے اور اِدھر رسولِ مقبول کی چشمانِ حق بین سے سیلِ اشک رواں

ہوئی۔ خانۂ سیّدۂ عالم کی تمام خوشیاں مبدّل باندوہ ہوگئیں۔ جب سببِ گریہ دریافت کیا گیا تو پہلی مجلس بزبانِ رسولِ مقبول اِن الفاظ میں انا ہوئی کہ نورِ چشم سیّدۂ عالم! ابھی ملک مقرب یہ خبرِ غم اثر دے گیا ہے۔ کہ میرے اِس محبوب نواسہ کو میری اُمت کے جفا کار بہزار اندوہ و افکار قتل کر دیں گے۔

سیّدۂ عالم کا رنگِ رُخ زرد ہو گیا۔ اور تازہ زچہ ماں نے ایک فریاد و آہ کے ساتھ عرض کیا۔ کہ بابا جان۔ آپ اپنے پیارے نواسے کو شہید ہونے دیں گے اور نرغۂ اُمّت ظالمہ سے نہ بچائیں گے؟ رازدانِ قدرت نے فرمایا پارۂ جگر ہم تو واصل بحق ہو چکے ہوں گے۔ مضطرب ماں نے فوراً کہا کہ آپ کے ابن عمّ اور شیرِ خدا کی تلوار بھی میرے مظلوم بچّے کی مدد میں نیام سے نہ نکلے گی؟ سرکارِ علوم کون و مکاں نے سر جھکا کر فرمایا۔ بیٹی! وہ مسجد کوفہ میں شہید ہو چکے ہوں گے۔ اب ماں کا کلیجہ غم کی چھریوں سے پاش پاش تھا۔ ایک غمناک فریادی لہجہ میں عرض کی۔ بابا۔ کیا آپ کا بڑا نواسہ حسنؑ بھی اپنے جدّ و پدر مُردہ بھائی کو مدد نہ دے گا؟ حضورؐ نے فرمایا کہ سیّدہ بیٹی! کیوں غم بالائے غم اٹھاتی ہو۔ وہ مقتولِ سمّ جفا سبز قبا شہید ہو چکا ہوگا۔ اب تو مظلومہ کو صرف جان نثاری کے لئے اپنی ہی جان نظر آئی۔ گھبرا کر فرمانے لگیں۔ اچھا بابا۔ تو میں ہی نصرتِ پسرِ مظلوم کو کافی ہوں۔ میں اپنے بچّہ کو زیرِ آغوش چھپا کر بارگاہِ خداوندی میں اپنے سر کے بال کھول کر فریاد کروں گی لیکن اپنے لعل کو خونِ شہادت میں آغشتہ نہ ہونے دوں گی۔ آہِ سرد

پھر کر سرورِ دوعالم نے فرمایا۔ مظلومہ! صبر کرو۔ تم باپ کے غم میں نوّے ۹۰ دن سے زائد حیات نہ کر سکوگی۔ یہ واقعہ تو ہمارے تمہارے برسوں بعد ہوگا"۔ اب تو مامتا کی ماری مظلومہ ماں سے برداشت نہ ہو سکا اور ایک چیخ مار کر کہا۔ بابا۔ پھر یہ تو بتائیے کہ جب منظورِ خدا اِن حالات میں میرا بچّہ شہید ہوگا تو اُس پر روئے گا کون؟ زبانِ رسالت سے ارشاد ہُوا کہ جانِ پدر! یہ فدیۂ راہِ خدا ہے تو خدا ہی نے وعدۂ حق فرمایا ہے کہ ہم الیٰ یوم القیامۃ ایک قوم کے افراد پیدا کرتے رہیں گے کہ اُس کے مرد اِس شہید کے مردوں پر۔ اور عورتیں اس کی عورتوں پر اور اطفال اِس شہید کے اطفال پر دِن رات روتے رہیں گے"۔ یہ سُننا تھا کہ ماں کا مضطرب دِل عالمِ سکون میں آیا اور اطمینانِ کامل سے فرمایا۔ کہ بابا! "اب میرا بچّہ مشیّتِ حق پر نثار ہے"۔

اب تمام عالم کو سمجھ لینا چاہیئے کہ جس طرح شہادتِ حسینؑ کے لئے بندوبست ہُوا۔ اُسی طرح عزائے حسینؑ کی ذمہ داری اس ذات ربّ الارباب نے لی ہے۔ جس کے سامنے کوئی طاغوتی شیطنت اُس میں الیٰ یوم القیامۃ رخنہ ڈالنے کی کوشش کرے گی تو اصحابِ فیل کی طرح کٹے ہوئے بھوسے کی مانند کر دی جائے گی۔ اس لئے کہ مظلوم نے جس خدائے لم یزل کے دینِ مُبین کو بچانے کے لئے پارہ پارہ ہونا اور آل و اصحاب کو ٹکڑے ٹکڑے دیکھنا گوارا فرما لیا اُس کا بھی تو اپنے خدا پر کوئی حق ہے۔ اور وہ وُہی ہے جس کی تصریح اُوپر کی گئی۔

نانا نواسے کا راز ایک دِن تھا جب نبیٔ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

سجدۂ خالق میں تھے تو یہی نواسہ پُشت پر سوار ہو گیا۔ رسولِ اکرم نے سر سجدہ سے نہ اُٹھایا اور مسلمانوں کی صحیح ترین کتب کی بناء پر ستّر مرتبہ ذکر سُبحان ربی الاعلیٰ کیا۔ بعد ختم نماز اصحاب میں کسی نے بے محابا آپ سے سوال کر لیا کہ یا رسول اللہ کیا بحالتِ سجدہ وحی نازل ہو گئی تھی کہ اس قدر سجدہ کو طول فرمایا؟ حضرت کا جوابِ باصواب بھی اُنہی صحیحین میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ حسینؑ میرا نواسہ بحالتِ سجدہ میری پُشت پر سوار ہو گیا تھا۔ منجانب ربّ العزّۃ فرشتہ وحی لایا۔ کہ "اے ہمارے رسولؐ جب تک حسینؑ خود اُتر نہ جائیں آپ سجدے سے سر نہ اُٹھائیں"۔ یہ واقعۂ عظیمۂ طفلیِ حسینِؑ مظلوم نے شباب و شیب کی منزلوں میں یاد رکھا اور گویا دل میں یہ عزمِ راسخ کر لیا کہ خدا و رسول کے آج کے احسان اور دلداری کے حق کو اس طرح ادا کر کے رہُوں گا کہ دینِ رسول کو بچانے کے لئے بحالتِ سجدۂ خالق اس طرح سر زیرِ خنجر رکھوں گا کہ پھر خود نہ اُٹھاؤں گا بلکہ بجبر نوکِ نیزہ پر بلند کیا جائے گا۔

بعدِ شہادتِ حسینؑ آلِ محمدؐ سے اُمّت کا سلوک

جب شہداءِ کربلا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سرہائے بُریدہ کو اُمّت کے کلمہ گو نیزوں پر چڑھا چکے تو فتح کے شادیانے بجاتے ہوئے یتیموں اور بیواؤں کل سامان مالِ غنیمت سمجھ کر لُوٹنے کے لئے اُنکے خیموں میں دِرّانہ گھس آئے۔ اور مطلق یہ خیال نہ کیا کہ یہ اُس خانۂ محترم رسولؐ کے بستیا ہیں جہاں فرشتے بغیر اجازت داخل نہ ہو سکتے تھے۔ بچّوں کے کانوں سے دُرا اور مخدّراتِ

عصمت وطہارت کے سروں سے چادریں چھین لیں اور آیۂ تطہیر کی مصداق بیبیوں کو اپنے زعمِ ناقص میں بے ردا کر دیا جن میں خاتم النبیین کی وہ نواسی حضرت زینبؑ بھی تھیں جن کا لقب اہلِ ایمان کی زبان پر ثانیٔ زہرا صلواۃ اللہ علیہا مشہور رہے۔ اور سب بیبیوں کو رسن بستہ کر کے جانب کوفہ اور وہاں سے صحرا بہ صحرا بے کجاوہ اونٹوں پر ملک شام لے گئے۔ لیکن جوں جوں تشہیر اہلِ حرم میں اشقیاء یزید لعین نے اہتمام کیا۔ اسی قدر اسرارِ شہادت اور بے گناہی آلِ محمدؐ بے نقاب ہوتی گئی۔ چنانچہ جا بجا خطباتِ حضرت زینبؑ اور جناب اُمِ کلثوم نے ناواقف کلمہ گویانِ رسولؐ پر یزید و فوج یزید کے چہروں کو ننگا کر دیا۔ اور پیش خدا اپنے تقرب و عظمت کی منزلیں اس طرح روشن فرما دیں کہ تاقیامت آلِ محمدؐ کے وقار کے پرچم اہلِ ایمان کی نظروں میں لہراتے اور دشمنانِ دین وایمان کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹکتے رہیں گے۔ اِن خطبات میں کلامِ ربانی کے جلوے اور حضرت محمدؐ مصطفےٰ و علی مرتضےٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وہ جھلک نظر آتی ہے کہ عرب کے فصحاء اور مرد و زن مبہوت ہو کر رہ گئے۔ اور جن عوام سے یہ پوشیدہ رکھا گیا تھا کہ یہ قیدی کس گھرانے کے ہیں وہ بھی اِن بیبیوں کی طاقت لسانی سے متأثر ہو کر کہہ اُٹھتے تھے کہ یہ تمہیدِ کلام تو لب ولہجۂ خاندانِ رسولؐ کی تمثیل ہے۔

ہمارا موضوع چونکہ "آلِ محمدؐ" تھا اس لئے اِن واقعات کو کماحقہ ہم نہیں لکھ سکتے۔ اب آخر میں صرف یہی اظہار کافی ہے کہ جن آلِ محمدؐ کی بزرگی قرآن میں "الف - لام میم" سے شروع ہوئی تھی اور جن کی منزلت پر صرف چند آیتیں

اِن مختصر اوراق میں ہم نے پیش کیں۔ اُن پر رسولؐ کے کلمہ گویوں نے کِس انجامِ بُغض و عداوت و شقاوت کو پیش کیا۔ اِس لئے موجودہ عہد کے مسلمانوں کو ہر مُلک اور خصوصاً پاکستان میں یہ فیصلہ کر لینا چاہیئے کہ اُنہیں دامنِ آلِ محمدؐ تھام کر منازلِ حشر و نشر طے کرنی ہیں یا یزیدی گروہ میں محشور ہونا ہے۔ ظاہر ہے کہ محمدؐ رسول اللہ کے کلمہ گو آلِ محمدؐ کی رفاقت کو پسند کریں گے اور اِس کے علاوہ کوئی ذریعۂ نجات و شفاعتِ رسولؐ میسّر نہ آئے گا۔ مگر یہ دعوٰۃ بے دلیل ہوگا جب تک آلِ محمدؐ کی خوشی میں خوشی اور اُن کے غم میں غم اپنا شعار نہ بنائیں گے۔ اور یہ پتہ نہ چلائیں گے کہ اُن کی مسّرت کے مواقع کیا اور اُن کی عزا کے طریقے کون سے ہیں؟

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

راقم آثم:- علی رضا خاں قزلباش

۱۹؍ ایمپرس روڈ۔ لاہور

بقیہ صفحہ ۳۲:- خاک قبر کا نام زبان پر آتے ہی گویا شفیق نانا کی مجسم تصویر آنکھوں میں پھر گئی۔ دِل بھر آیا اور کثرتِ غم و ہم میں تعویذِ قبر سے لپٹ کر خوب روئے۔ قبرِ رسولؐ کو کب گوارا تھا کہ دُرِ اشکِ حسینؑ اس طرح بہیں۔ آخر کار تھپک کر سُلا ہی دیا۔ اب ایک اور عالم پیشِ نگاہ تھا۔

(ماخوذ از رسالہ فرات)

مطبوعہ انصاف پریس لاہور نشر کردۂ کتب خانہ یوسفی نسبت روڈ لاہور

اخراجِ حضورِ مدینہ کی تفصیل

امام حسین علیہ السلام جب ایوانِ ولید سے عصمت سرائے اہلبیت میں تشریف آور ہوئے۔ تو سب کو رکوع و سجود میں دیکھا۔ آپ نے سب کو امر بصبر فرمایا اور پہلی ساعت تھی کہ امام علیہ السلام نے اپنے محضر شہادت کو بادی النظر میں دیکھا۔ اور ایک ایک عزیز پر نگاہِ حسرت فرمائی۔ آپ نے یہ اندازہ لگالیا کہ مدینہ کا قیام ختم ہوا اور خاک مدفن دامنگیر ہے۔

۲۶ رجب کو جب رات نہایت خاموش تاریک اور خوفناک تھی۔ ایک تنہا مسافر نہایت آہستہ ایک ایسی شاہراہ پر جارہا ہے جس پر سوائے اندھیرے کے بظاہر روشنی کا کوئی سامان نہیں مگر قبرِ رسولؐ سے ایسا نور ساطع ہورہا ہے جس نے صرف اس مسافر کی خاطر ایک خاطر خواہ روشن راہ بنادی ہے۔

آئیے فکر و غور کیوں کیجئے۔ آپ کو صرف یہ معلوم ہوجانا چاہیئے کہ نہ یہ راہ جدید ہے اور نہ مسافر غیر ہے۔ یہ حسینؑ مظلوم ہیں جو ہر شب نانا کی قبر پر فاتحہ پڑھنے جاتے تھے اور اب واضح ہوجائے گا کہ یہ اُسی نانا کی تُربت کا نُور پیشوائی کررہا ہے کہ جو کبھی مسجد نبویؐ سے نواسے کو نہیں جانے دیتے تھے جب تک آپ کی انگشت مبارک کا نُور چراغِ راہ کا فرض پورا نہ کرتا تھا۔

آج ظاہر بین دُنیا کی نگاہ میں جسم رسولؐ منوں خاک کے نیچے ہے۔ لیکن توبہ توبہ۔ چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک۔ جب ظاہری گرد و غبار ہیرے کی چمک

کو نہیں چھپا سکتا تو خاک کا ایک ڈھیر نورِ الٰہی۔ نورِ نبوت اور نورِ رسالت کے لئے کب مانع اظہارِ حقیقت ہو سکتا ہے۔ یہی نور ہے جو اس وقت از سر تا بقدم تصویرِ غمِ نواسے پر ہے قربان ہو رہا ہے۔ امام مظلوم اپنے شفیق نانا کے روضۂ مطہر پر حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا:۔

درود و سلام قبول کیجئے۔ میں آپ کی آخری نشانی۔ خامس آلِ عبا آپ کا حسین ہوں۔ آپ کی لاڈلی بیٹی نے دنیا کی سخت سے سخت مصیبتیں برداشت کر کے اور چکی پیس پیس کے مجھے پالا تھا۔ میں فاطمہؑ کا لختِ جگر اور آپ کا نورِ نظر ہوں۔ میں اس وقت کاندھوں پر سوار ہونے نہیں آیا ہوں۔ میں اس وقت آپ کی آغوشِ شفقت میں سونے کی درخواست نہیں کرتا۔ میں آج قبر کی مجاوری یا روشنیٔ شمع کی غرض سے نہیں آیا۔ بلکہ اب میرا دل آپ کا چراغِ مزار بن کر جلا کرے گا۔ نانا سنئے اور صبر سے سنئے۔ میں آپ سے رخصت ہونے آیا ہوں۔ کل کی شب آخری شب ہوگی۔ میری حرمت و رعایت کے لئے آپ کی زبانِ فیض ترجمان نے بارہا گہر فشانی فرمائی تھی۔ مگر آج آپ کی وصیت کو آپ کی اُمت کے افراد نے پسِ پشت ڈال دیا۔ آج آپ کے احکام کی توہین ہو رہی ہے اور آج مسندِ خلافت پر شراب لنڈھائی جا رہی ہے۔ اور آپ کے نواسے سے خواہش کی جاتی ہے کہ ایسی خلافت کی بیعت کرے۔ میں یہ سوچتا ہوں کہ نانا جب آپ یہ سنتے ہوں گے تو آپ پر کیا گزرتی ہوگی۔

یہ کلمات فرما کر تمام شب مصروف رکوع و سجود رہے۔ فریضۂ صبح کے بعد جب ستارۂ سحری کی چھوٹ نے آ کر قدم بوسی کے ساتھ زبانِ حال سے یہ عرض

کیا کہ اے مصداقِ "یا ایھا المدثر" کی سچی یادگار اب عبادت کل شب پر اُٹھا رکھیئے کہ پاہائے مبارک متورم ہو گئے ہوں گے۔ اس وقت آپ نے سجدے سے سر اُٹھایا اور اُس کے رخصتی سلام کا جواب دے کر دولت کدۂ امامت میں تشریف لائے ؂

نواسے کا آخری پھیرا نانا کی قبر پر

۲۷ رجب کی صبح سے تمام دن امام علیہ السلام کی جبین مبارک تفسیر رنج والم بنی رہی۔ قبر رسولؐ کا دائمی افتراق۔ حفاظت و حرمت ناموس کا خیال۔ گرمی کی شدت۔ صعوبات سفر اور ننھے ننھے بچوں کا ساتھ یہ وہ اہم سوالات تھے جن کا جواب صرف امام کا ضبط وصبر ہی دیتا رہا۔ اور سالکِ تسلیم و رضا نے پھر بہ استقلال تمام آج دوبارہ اور آخری مرتبہ تعویذِ قبرِ رسولؐ کو آنکھوں سے لگا ہی لیا۔ چند رکعت نماز پڑھ کر اس طرح مناجات بدرگاہِ باری شروع کی۔ سبوح۔ قدوس خداوند۔ تو میرا رب۔ فرشتوں کا خالق۔ اور رُوح الامین کا پیدا کنندہ ہے۔ یہ مقدس نشانِ قبر تیرے برحق نبیؐ۔ برگزیدہ رسولؐ اور حبیبِ خاص محمد مصطفےؐ کا ہے۔ تیری رحمت ہو ہمیشہ ہمیشہ ان پر اور ان کی آل پاک پر۔ میں تیرے اسی رسولؐ کا پیارا۔ ان کی نگاہ کا نور۔ ان کی آنکھوں کا تارا۔ اور ان کے قلب کا سرور۔ ان کا چاہیتا نواسا ہوں۔ آج تین رات سے جو واقعہ روبکار ہے تجھ پر روشن ہے اور اس کی تشریح سے تیری ذات بے نیاز ہے۔ تو اس دامنگیر خاک سے آگاہ ہے جس کی پیاس مجھے اپنے خون سے بجھانی ہے اور وہ محضر میری پیش نگاہ ہے جس پر میں اپنے خون سے دستخط کر چکا ہوں۔ اس خاکِ مقدس کا واسطہ جس میں خاتم نبوت آرام کر رہا ہے مجھے تسلیم و رضا کی منزلِ خاردار

اہم قومی ضرورت

اس وقت ملک میں سینکڑوں شیعہ انجمنیں اور ادارے اور چھوٹے بڑے مشن جیسے پیدا ہو رہے ہیں جو ایک ایک دو دو جزو کے رسالے شائع کر کے قومی خدمات بزعم خود انجام دے رہے ہیں لیکن انکا ایک سیاہ رُخ کوئی نہیں دیکھ رہا کہ جسطرح ایک اور دو دو آنہ کے مرثیوں اور نوحوں نے انیس۔ دبیر۔ مونس۔ نفیس۔ وحید۔ سلیس۔ عشق۔ تعشق اور صدہا شعراء کی مشہور و معروف جلدوں کو تمام پاکستان میں ختم کر دیا۔ اسی طرح اس پمفلٹ بازی سے ایک وہ دن آنیوالا ہے جب مذہب شیعہ کی ضخیم اور مستند کتب تمام ملک سے غائب ہو جائینگی اور شیعہ پبلک ایک آنہ دو آنہ کے پرچوں میں پھنس کر رہ جائیگی۔ آج جن کتب کی اشاعت کی ضرورت ہے اور ڈھونڈھے نہیں ملتیں۔ مشتے نمونہ از خروارے انکے نام درج ذیل ہیں۔

تفسیر عمدۃ البیان ہر سہ جلد دس دس پاروں کی تین جلدیں۔ تہذیب المتین فی تاریخ امیر المومنین۔ ہر دو جلد سوانح عمری امام چہارم۔ ہفتم۔ دہم۔ یازدہم۔ دوازدہم۔ خلافت الٰہیہ۔ کوکب دری۔ تاریخ اعثم کوفی ترجمہ نہج البلاغہ۔ (کسی شیعہ مستند عالم کے قلم سے) کتب اربعہ کے تراجم۔ غرض سینکڑوں ازیں قسم انتہا ضروری کتب ناپید ہیں۔ جنکے لیئے ایک مستقل سکیم کی ضرورت ہے اور ہم نے اسی کی بنا پر کئی اسکیمیں کو چھاپا ہے جن میں سے ایک اس صفحہ کی پشت پر درج ہے اور کچھ انشاءاللہ سلسلہ وار ماہانہ اشاعتوں کے ذریعہ سے ہم پیش کر رہے ہیں بشرطیکہ افرادی اور جنس شناسان قوم ہم سے تعاون فرما کر اپنے حلقہ اثر و احباب دائرہ میں ان سلسلوں کی تبلیغ کرتے رہیں۔ منیجر **کتبخانہ مطبع یوسفی نسبت روڈ۔ لاہور**

۷۲ حسینیوں کی ضرورت

یالیتنی کنت معکم فافوز فوزاً عظیما

(کاش ہم بھی (کربلا کے معرکہ میں) آپ کے ساتھ ہوتے تو بڑی کامیابی (شہادۃ) پا لیتے۔
کہنے والے تو پاکستان غربی وشرقی میں پونے دو کروڑ کے قریب قریب ماشاء اللہ
موجود ہیں مگر "آل واصحاب" ایک مکمل ڈھائی سو صفحات کی نہایت ضروری
کتاب کی طباعۃ ثانیہ میں مددگاری کے لئے ۷۲ ایسے ناصرانِ حسینؑ کی ضرورت ہے
جو ایک مہینے کے اندر دس محبانِ حسینی اور دوستدارانِ آلِ پاک سے پانچ پانچ
روپیہ جمع کر کے پچاس روپیہ کا منی آرڈر بنام منیجر کتبخانہ مطبع یوسفی نسبت روڈ لاہور کو
بھیج دیں تاکہ مسلمانانِ پاکستان پر صدہا آیاتِ پاک قرآن اور احادیثِ نبیؐ فریقین
سے آل اور اصحاب کا فرق زمین و آسمان قطعی طور پر ثابت ہو سکے۔ فرلیند
منی آرڈر کو گیارہ جلد بعد طباعت کتاب بذریعہ رجسٹرڈ پیکٹ روانہ کی جائیں گی
ایک ایک جلد چندہ دہندگان کے لئے اور ایک جمع کرنے اور منی آرڈر بھیجنے والا
کے لئے ایک مہینہ جمع رقم۔ اور دو مہینے طباعۃ کے لئے رکھے گئے۔

قابلِ دید کتاب ۷۲ حسینی ۵۰ پچاس روپیہ فی کس پانچ روپیہ

ایک حسینی سپاہی دس مومنین سے ایک ماہ کے اندر

بنام منیجر کتبخانہ مطبع یوسفی نسبت روڈ ——— لاہور

نوٹ:۔ یہ کتاب پہلے پانچ روپیہ میں مل رہی تھی۔ اب تمام پاکستان میں ایک کاپی دس روپیہ میں
نہیں مل رہی ایسی نایاب کتب کی اشاعت کا انتظام بغیر امداد باہمی نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم تنہا سینکڑوں
ضروری کتب کا انتظام نہیں کر سکتے۔ (وما علینا الا البلاغ) منیجر